

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نور الحديث

ایک تحقیقی و اصلاحی میگزین

جلد 1 | رمضان / غوال ۱۴۳۹ھ | مئی / جون 2018ء | شمارہ 1

ہر گھر اور
ہر لائبریری کی زینت

معاون مدیر

حافظ ابوسفیان میجر

مدیر

محمد ارشد کمال

سرپرست

حافظ عبداللہ رفیق

شیخ الحدیث جامعہ عربیہ و کورٹاپ لاہور

نمبر	مضامین	صفحہ
1-	درس قرآن: سورۃ الحجرات	2
2-	درس حدیث: کتاب الزہد	10
3-	روزے کو برباد کرنے والے اعمال	14
4-	حقیقت تقلید	20
5-	تاخیر سے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی توہین	29
6-	القول القوی فی نقد الرجال	39
7-	صدقہ فطر اور اس کے مسائل	46

مجلس ادارت

مولانا محمد سرور صاحب
ابو محمد عبداللہ اختر
ابو عبدالنعمان عسکری
چوہدری محمد تصف
حافظ عبدالرحمن یاسین
سید عامر اختر شاہ
پروفیسر محمد ریال
فرانز احمد

برائے رابطہ

مدیر 0322-2999987
معاون مدیر 0300-4008489

قیمت

فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: 150 روپے
★ علاوہ ڈاک خرچ

خط و کتابت

جامعہ منیر الودعہ ضریح اہل حدیث 196-D ملتان روڈ، سیکم ہوزلاہور / ڈاکخانہ منیر زار

0322-2999987
0302-4510300

ناشر | المكتبة الكمالية ○ ملتان روڈ، سیکم ہوزلاہور



درس قرآن:

پروفیسر ابو حمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی

سورة الحجرات

قسط: 1

تعارف:

یہ قرآن کریم کی سورت نمبر 49 ہے۔ اہل علم کے بیان کے مطابق سورتوں کی نزولی ترتیب کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر 106 ہے۔ یہ مدنی سورت ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

وجہ تسمیہ:

اس سورت کی آیت نمبر 4 میں رسول اللہ ﷺ کے ”حجرات (مکانات)“ کے تذکرے کے حوالے سے لفظ ”الحجرات“ وارد ہوا ہے۔ اسی لفظ کی مناسبت سے اس کا نام ”سورة الحجرات“ رکھا گیا ہے۔ ”حجرات“؛ ”حجرة“ کی جمع ہے۔

زمانہ نزول اور مباحث:

یہ سورت متعدد احکام و ہدایات پر مشتمل ہے جو مختلف مواقع پر حسب ضرورت نازل ہوئے۔ جنہیں موضوع اور مفہوم کی مناسبت سے یک جا کر دیا گیا ہے۔ اس سورت کی ابتدائی اور آخری آیات کی تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی بہت سی آیات فتح مکہ کے بعد 9 ہجری میں نازل ہوئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

سَبِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱﴾ (الحجرات: 1)

”ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تمہاری ہر بات کو سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔“

”اسلام کا بنیادی اصول اور ایمان کا اہم ترین ضابطہ“

اس آیت مبارکہ میں ایمان کا اہم ترین تقاضا اور اسلام کا ایک بنیادی ضابطہ بیان ہوا ہے کہ اہل ایمان پر ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع لازم ہے کسی کو بھی ان سے آگے پیش قدمی کرنا روا نہیں۔

یہ ضابطہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے:

1: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (ال عمران: 132/3)

”اور تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

2: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء: 59/4)

”ایمان والو! تم اللہ کی، رسول (ﷺ) کی اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو۔“

3: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا﴾ (المائدة: 92/5)

”اور تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور ان کی مخالفت سے بچو۔“

4: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (الانفال: 46/8)

”اور تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔“

5: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد: 33/47)

”ایمان والو! تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور ان کی مخالفت

کر کے اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی

اطاعت ضروری ہے اور ان کی مخالفت کرنے سے اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔

✽ یاد رہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی چیز ہے یہ الگ الگ نہیں ہیں کیوں کہ اللہ کے رسول کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات امت تک پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: 3/53، 4)

”اور وہ (رسول ﷺ) اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے۔ (جو کچھ بھی کہتے ہیں) وہ

(اللہ کی طرف سے) وحی ہی ہوتی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔“

لہذا رسول ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت و حدیث پر عمل کرنا درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ﴾ (النساء: 80/4)

”جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔“

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت و حدیث پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرنا ہے اسی طرح آپ کی حکم عدولی اور آپ ﷺ کی سنت و حدیث سے اعراض درحقیقت اللہ کے حکم سے اعراض اور اس کا انکار ہے۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ:

((مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ.))

(صحیح البخاری: 2957)

”جس نے میری اطاعت کی، اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی اور جس

نے میری نافرمانی کی، اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی۔“

✽ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ راہ ہدایت اور صراط مستقیم اطاعت رسول ہی سے ملتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ

عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۚ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۗ﴾ (النور: 54/24)

”(اے نبی!) آپ (ان سے) کہہ دیں کہ تم اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ اگر تم (اس سے) اعراض کرتے ہو تو یاد رکھو کہ اس (رسول) کو جو ذمے داری سونپی گئی ہے، وہ اسی کا ذمے دار ہے اور جو ذمے داری تمہاری ہے، اس کے ذمے دار تم ہی ہو۔ اور اگر تم اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔“

بہر حال اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ کسی بھی انداز میں اور کسی بھی حوالے سے ان کی مخالفت نہ کی جائے اور نہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ جیسا کہ تین آدمیوں کا واقعہ:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ تین آدمیوں نے اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے نبی ﷺ کے رات کے معمولات اور عبادت کے حوالے سے استفسار کیا۔ جب انہیں آپ کی رات کی عبادت اور آپ کے معمولات سے آگاہ کیا گیا تو انہوں نے اتنی سی عبادت کو اپنے حق میں بہت تھوڑا سمجھا۔ وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کے رسول سے کیا نسبت؟ آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ آپ کے لیے تو اتنی ہی عبادت کافی ہے۔ ہم آپ سے حد درجہ کم ہیں۔ ہمیں تو اس سے کہیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو آئندہ زندگی بھر رات کو کبھی سویا نہ کروں گا۔ میں ہمیشہ راتوں کو جاگ جاگ کر ساری ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں آئندہ ساری زندگی روزے رکھا کروں گا اور کبھی روزے کا ناغہ نہیں کروں گا۔

اور تیسرے نے کہا: میں بیوی بچوں کے بکھیرٹوں میں نہیں پڑوں گا۔ ساری زندگی شادی نہیں کروں گا اور تجرد کی حالت میں زندگی گزار دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو آپ صحابہ کرام کے ہاں تشریف لے



گئے اور فرمایا: ”تم میں سے بعض لوگوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں اور اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔“ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کا خوف رکھنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ میں کبھی روزے رکھتا ہوں اور کبھی ناغے کر لیتا ہوں۔ میں رات کو نماز پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ یاد رکھو! جس نے میرے طریقے سے انحراف کیا، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔“ (صحیح البخاری: 5063)

لہذا ایمان کا تقاضا ہے کہ اپنے قول و فعل میں کسی بھی انداز سے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت نہ کی جائے۔

اللہ نے اور اس کے رسول نے جو کام جس انداز سے کرنے کا حکم دیا ہے، وہی جائز اور مشروع ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی یا اضافہ کرنے کی اجازت نہیں۔ مثلاً:

✽ وضو کرتے ہوئے اعضاء کو زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونا مشروع ہے۔ اعضاء وضو کو اس سے زیادہ مرتبہ دھونا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے اور شریعت کے مخالف ہونے کی بنا پر جائز نہیں۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر وضو کا طریقہ دریافت کیا۔ آپ نے اسے وضو کر کے دکھلایا اور وضو کے اعضاء کو تین تین بار دھویا۔ پھر فرمایا: ”یہ مکمل وضو ہے۔ جس نے اس پر اضافہ کیا، اس نے بہت برا کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔“

(سنن ابن ماجہ: 422۔ سنن ابی داؤد: 135، سنن النسائی: 140)

✽ نماز شروع کرتے وقت با وضو ہونا اور قبلہ رو ہونا شرط ہے۔ جو آدمی وضو کیے بغیر اور علم ہونے کے باوجود قبلہ کے علاوہ کسی دوسری طرف رخ کر کے نماز ادا کرے تو اس کی نماز، نماز نہیں۔

✽ فرض نمازوں کی تعداد اور رکعات متعین ہیں۔ ان میں کمی بیشی بھی حد سے تجاوز اور شریعت کی مخالفت ہے۔ ایسا کرنے والے کی نماز مقبول نہیں۔

✽ نماز کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرنا مشروع ہے اس میں کمی بیشی یا



تبدیلی کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

✽ اللہ کی طرف سے ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور روزے کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے۔ اگر کوئی آدمی کہے کہ رمضان کے روزے رکھنا ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مہینے میں رکھ لیے جائیں یا روزے کا وقت رات کے کسی وقت سے لے کر دن کو دوپہر تک ہے تو اس کا یہ قول اور عمل مخالف شرع ہونے کی وجہ سے مردود اور ناقابل قبول ہے۔

✽ باجماعت نماز ادا کرتے وقت مقتدی پر لازم ہے کہ وہ نماز کی ابتدا سے تکمیل تک امام کی اقتدا کرے اور اس کے پیچھے پیچھے رہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا: ”لوگو! میں تمہارا امام ہوں۔ تم نماز کے دوران رکوع، سجود اور قیام و سلام میں مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔ یعنی مجھ سے آگے نہ بڑھا کرو۔ نماز کے دوران میں، میں تمہیں اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھ رہا ہوتا ہوں جیسے میں سامنے کی طرف سے دیکھتا ہوں۔“ (صحیح مسلم: 426/112)

اس حدیث میں نمازیوں کو نماز کے دوران امام کی اقتدا کرنے کا پابند اور اس سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

بلکہ ایک حدیث میں تو امام سے سبقت کرنے اور اس سے آگے بڑھنے پر شدید وعید آئی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَمَّا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ))

”جو آدمی امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے، کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل کو مسخ کر کے اس کے سر کو گدھے کے سر سے بدل دے۔“

(صحیح مسلم: 427/114)

فوری گرفت:

یاد رہے کہ جان بوجھ کر حکم شریعت اور حدیث رسول کی مخالفت کرنے اور ازراہ تکبر عمل بالحدیث سے انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے آدمی کی فوری گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: 63/24)

”رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اس مخالفت کی پاداش میں ان پر کوئی مصیبت یا کوئی دردناک عذاب نہ آجائے۔“

عبرت انگیز واقعہ:

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی بائیں ہاتھ سے کھانا کھانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔“ اس نے کہا: ”لَا أَسْتَطِيعُ“ میں داہنے ہاتھ سے کھانا نہیں سکتا۔ درحقیقت اسے داہنے ہاتھ سے کھانے سے کچھ مانع نہیں تھا۔ اس نے صرف تکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہ مانتے ہوئے اور بہانہ بناتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(اللہ کرے) ایسا ہی ہو۔“ چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی داہنے ہاتھ سے کچھ نہ کھا سکا۔

(صحیح مسلم: 2021/107)

✽ دس ذوالحجہ کو قربانی کی جاتی ہے۔ قربانی کا اصل اور مشروع طریقہ ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کی جائے۔ اگر کوئی آدمی عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کرے تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔ اسے حکم ہے کہ وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ)) ”جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کیا، وہ اس کے بدلے میں

دوسرا جانور ذبح کرے۔“ (صحیح البخاری : 5561)

بظاہر دیکھا جائے تو قربانی کا جانور، عید کے دن ہی ذبح کیا جا رہا ہے اس کی قربانی درست ہونی چاہیے۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کی ہدایت کے برعکس نماز عید کے بعد ذبح کرنے کے بجائے نماز سے پہلے ذبح کرنے کی بنا پر یہ قربانی درست نہیں۔

سیدنا جناب بن سلیمان الجلیؓ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ قربانیاں کیں۔ کچھ لوگوں نے عید سے پہلے جانور ذبح کر لیے تھے۔ نبی ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: ((مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرَى)) ”جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر لیا، وہ اس کے بدلے میں دوسرا جانور ذبح کرے۔“

(صحیح البخاری : 5500)

✽ جانور ذبح کرتے وقت ”بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ کے الفاظ کہنا مشروع ہے۔

(صحیح مسلم : 1966)

لیکن اگر کوئی آدمی ان مشروع کلمات کو چھوڑ کر جان بوجھ کر ان کے بجائے سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ یا اس سے بھی زیادہ قرآن پڑھ کر جانور ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

الغرض اس آیت کریمہ میں اسلام کا انتہائی اہم اصول اور ایمان کا اہم ترین ضابطہ بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں اور ان کے آگے نہ بڑھیں شریعت سازی سے بچیں جتنا بتا دیا گیا ہے بس اتنا ہی کرتے رہیں۔

احکام ومسائل:

1: مسلمان کو کسی بھی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پیش قدمی یعنی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔

2: مسلمان کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

3: اللہ اپنے بندوں کی ہر بات کو سنتا اور خوب جانتا ہے۔



کتاب الزهد

امام ابو داود السجستانی

درس حدیث:

تحقیق و تخریج: محمد ارشد کمال ترجمہ و فوائد: ابوسفیان عباس میر محمدی

سابقہ امتوں سے زہد کے آثار

[1]..... قَالَ: نَا هِشَامُ صَاحِبُ الدِّسْتَوَائِيَّ، قَالَ: رَأَيْتُ فِي كِتَابٍ بَلَّغَنِي أَنَّهُ مِنْ كَلَامِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ: ((تَعْمَلُونَ لِلدُّنْيَا وَأَنْتُمْ تُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ عَمَلٍ، وَلَا تَعْمَلُونَ لِلْآخِرَةِ وَأَنْتُمْ لَا تُرْزَقُونَ فِيهَا إِلَّا بِالْعَمَلِ؟! وَيَلِكُمُ عُلَمَاءُ السُّوءِ، الْأَجْرَ تَأْخُذُونَ، وَالْعَمَلَ تُضَيِّعُونَ! فَيُوشِكُ رَبُّ الْعَمَلِ أَنْ يَطْلُبَ عَمَلَهُ، وَتُوشِكُونَ أَنْ تَخْرُجُوا مِنَ الدُّنْيَا الْعَرِيضَةِ إِلَى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَضِيقِهِ، كَيْفَ يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مَنْ اتَّهَمَ اللَّهَ فِيمَا قَضَى فَلَيْسَ يَرْضَى بِشَيْءٍ أَصَابَهُ؟! كَيْفَ يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مَنْ دُنِيَاهُ أَثَرُ عِنْدَهُ مِنْ آخِرَتِهِ، وَهُوَ فِي دُنْيَاهُ أَفْضَلُ رَغْبَةً؟! كَيْفَ يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مَنْ يَطْلُبُ الْكَلَامَ لِيُخْبِرَ بِهِ، وَلَا يَطْلُبُهُ لِيَعْمَلَ بِهِ فِي أَشْيَاءَ?!))

جناب ہشام صاحب الدستوائی رحمہ اللہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: میں نے کتاب میں پڑھا تو مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ (تو) عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے کہ تم دنیا کے کام کرتے ہو، حالاں کہ دنیا میں تمہیں بغیر کام کیے (بھی) رزق دیا جاتا ہے اور تم آخرت کے لیے کام نہیں کرتے، حالاں کہ وہاں تمہیں بغیر عمل کے رزق (صلہ) نہیں دیا جائے گا۔ اے علماء سوء! تمہارے لیے بربادی ہو! تم اجرت تو لیتے ہو اور عمل کو ضائع کر رہے ہو، عن قریب کام والا تم سے اپنے کام کا مطالبہ کرے گا اور قریب ہے کہ تم وسیع ترین دنیا سے نکل کر اندھیری اور تنگ قبر میں چلے جاؤ۔ وہ شخص کیسے علماء میں سے ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ پر ان چیزوں کے بارے میں تہمت لگائے جو اس نے اس کے لیے مقرر کی ہیں اور جو اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر راضی نہ ہو، اور وہ شخص کیسے

علماء میں سے ہوگا؟ جو آخرت کے بدلے میں دنیا کو ترجیح دے، حالاں کہ آخرت دنیا سے زیادہ رغبت کے قابل چیز ہے اور وہ کیسے علماء میں سے ہوگا؟ جو کلام (یعنی علم) کو اس لیے حاصل کرے کہ اسے لوگوں کے پاس بیان کرے اور اسے اس لیے حاصل نہیں کرتا کہ اس پر عمل کرے گا۔

تحقیق و تخریج:..... ہشام الدستوائی تک اس کی سند صحیح ہے۔ اسے داری نے اپنی ”السنن“ (368)، بیہقی نے شعب الایمان (1772)، ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الدنیا (401) اور البوئیم الاصبہانی نے حلیۃ الاولیاء (200/5) میں روایت کیا ہے۔ سعید بن عامر سے مراد سعید بن عامر الضبعی ہیں جنہیں حافظ ابن حجر نے ”ثقة صالح“ کہا ہے۔ [التقریب: 2338]

[2]..... عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْقَيْسِيِّ، قَالَ: نَا رَجُلٌ، فِي مَجْلِسٍ مَكْحُولٍ، قَالَ: مَكْتُوبٌ فِي الْإِنْجِيلِ: ((طُوبَى لِلْمُتَرَاخِمِينَ فِيَّ، أُولَئِكَ الْمَرْحُومُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، طُوبَى لِلْمُتَوَاضِعِينَ فِيَّ، أُولَئِكَ الْمَرْفُوعُونَ لِمَنَابِرِ الْمُلْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، طُوبَى لِلْمُطَهَّرَةِ...))

جناب یزید بن ابی سعید القیسى ؓ کہتے ہیں کہ مکحول ؓ کی مجلس میں ایک آدمی نے کہا کہ انجیل میں لکھا ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ”میری وجہ سے ایک دوسرے پر رحم کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے یہی لوگ ہیں کہ قیامت کے دن ان پر رحم کیا جائے گا، میری وجہ سے ایک دوسرے کے لیے تواضع اختیار کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے کہ یہی لوگ ہیں کہ قیامت کے دن ان کے لیے بادشاہت کے منبر بلند کیے جائیں گے اور پاک کیے ہوئے لوگوں کے لیے بھی خوش خبری ہے۔“

تحقیق و تخریج:..... اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں ”رجل“، مجہول ہے۔ اسماعیل بن عیاش مدلس کا عنعنہ ہے اور نصر بن غازیہ کی توثیق نہیں ملی۔

[3]..... سَمِعْتُ وَهْبًا، يَقُولُ: قَرَأْتُ فِي كِتَابٍ أَخْبَرَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ: ((بِعِزَّتِي إِنَّهُ مَنْ اعْتَصَمَ بِي وَإِنْ كَادَتْهُ السَّمَاوَاتُ بِمَنْ فِيهِنَّ، وَالْأَرْضُونَ بِمَنْ فِيهِنَّ فَإِنِّي أَجْعَلُ لَهُ مِنْ بَيْنِ ذَلِكَ مَخْرَجًا، وَمَنْ لَمْ يَعْتَصِمْ بِي فَإِنِّي أَخَذُ بِهِ مِنْ تَحْتِ قَدَمِيهِ الْأَرْضَ، فَأَجْعَلُهُ فِي الْهَوَاءِ، ثُمَّ أَكَلُهُ إِلَى نَفْسِهِ)).

جناب وہب (بن منہ) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے (آسمانی کتب میں سے کسی) ایک کتاب میں پڑھا جس میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! یقیناً جو شخص مجھ پر اعتماد کرے، میری پناہ لے تو میں اس کے لیے درمیانی راہ نکلنے کے لیے بنا دیتا ہوں، اگرچہ آسمانوں اور زمینوں اور ان میں رہنے والی تمام مخلوقات اسے تکلیف دینے پر تل جائے۔ اور جو شخص مجھ پر اعتماد نہ کرے، میری پناہ میں نہ آئے تو میں اسے زمین میں دھنسا دیتا ہوں پھر میں اسے آسمانی فضا میں اڑا دیتا ہوں اور پھر اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہوں۔“ (یعنی پھر اسے امن و امان نصیب نہیں ہوتا)

تحقیق و تخریج: وہب تک اس کی سند حسن ہے۔

[4] عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنْبِهٍ ، قَالَ: ((إِنِّي أَجِدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَهُوَ كَمَنْ نَصَبَ لِي الْحَرْبَ .))

جناب وہب بن منہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے اللہ کی کتاب میں یہ بات پائی ہے: جو شخص میرے ولی (دوست) سے عداوت رکھتا ہے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے میرے لیے لڑائی اور جنگ کی بنیاد رکھی۔“

تحقیق و تخریج: اس کی سند صحیح ہے۔ یونس بن ابی اسحاق سے روایت کرنے والا ابن محمد العنقزی ہے جیسا کہ تہذیب الکمال میں یونس بن ابی اسحاق کے ترجمہ میں ہے ابن محمد العنقزی کو محمد العنقزی کہنا خطا ہے۔

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ [صحیح البخاری: 6502]

[5] عَنْ طَاوُسِ الْيَمَانِيِّ ، قَالَ: ((إِنِّي لَأَجِدُ فِي بَعْضِ الْكُتُبِ الَّذِي أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ((لَنْ يَنْجُو مِنِّي عَبْدٌ إِلَّا بِأَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ، وَمَا اقْتَرَبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِأَفْضَلِ مِنَ النَّصِيحَةِ ، وَلَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ ، كُنْتُ قَلْبُهُ الَّذِي يَعْقِلُ بِهِ ، وَبَصَرُهُ الَّذِي

يُصِرُّ بِهِ، إِنْ سَأَلْنِي أَعْطَيْتُهُ، وَإِنْ دَعَانِي أَجَبْتُهُ، وَإِنْ اسْتَنْصَرَ بِي نَصَرْتُهُ.))
 جناب طاؤس الیمانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بعض کتب میں یہ بات پائی ہے کہ مجھ سے کوئی بھی میرا بندہ ہرگز نجات نہیں پاسکتا مگر ان فرائض کی ادائیگی کے ساتھ جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں اور میرا بندہ (میری) افضل ترین نصیحت کے ساتھ ہی میرا قرب حاصل کرسکتا ہے (اور نصیحت یہ ہے کہ) میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے مجھ سے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں، چناں چہ جب وہ ایسا کام کرتا ہے تو میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سمجھتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں قبول کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے مدد طلب کرے اور فریاد کرے تو میں اس کی مدد کرتا ہوں اور فریاد رسی کرتا ہوں۔“

تحقیق و تخریج:..... اس کی سند ضعیف ہے۔ ابوالوفاء کے حالات مطلوب ہیں۔

فائدہ:..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے کوئی عبادت مجھے اتنی پسند نہیں جتنی وہ عبادت پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعے بھی مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ میں نے کسی چیز میں تردد نہیں کیا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں جتنا تردد مجھے مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے وہ موت کو (بوجہ تکلیف) پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے۔“ [صحیح البخاری: 6503]

محمد ارشد کمال

روزے کو برباد کرنے والے اعمال

روزہ ایک عظیم عبادت ہے خواہ نفلی ہو یا فرضی، اس کا اجر و ثواب کتنا ہے؟ صرف ایک جملے سے اندازہ لگالیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ((الْصَّيَّامُ لِيْ وَأَنَا أَجْزَىٰ بِهِ)) (صحیح البخاری: 1894) ”روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“ روزے کے اندر ایک بڑی عجیب خصوصیت ہے جو دیگر عبادات میں نہیں وہ یہ کہ روزہ دکھلاوے اور ریاکاری سے کوسوں دور اور چشم اغیار سے پوشیدہ، گویا خالق اور اس کے بندے کے درمیان ایک راز ہے جس کا علم روزہ دار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں شاید اسی لیے اس کے اجر و ثواب کے متعلق یہ فرمایا کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ کتاب و سنت میں کچھ ایسے اعمال بیان ہوئے ہیں جو اس عظیم عبادت کے اجر و ثواب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ذیل میں انھی اعمال کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(1) روزے کی نیت نہ کرنا:

اُمّ المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُجْمَعْ قَبْلَ الْفَجْرِ)) (سنن النسائی: 2338،

قال الالبانی: صحیح موقوف) ”جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ

کی اس کا روزہ نہیں۔“

اس روایت سے پتا چلا کہ روزے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے اس کے بغیر روزہ قبول نہ ہوگا۔ فرضی روزے کی نیت رات ہی سے کر لینی چاہیے۔ اگر رات کو نہ کر سکے تو صبح صادق سے پہلے کر لے۔ البتہ نفلی روزے کی نیت کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے۔

یاد رہے کہ نیت قصد، ارادہ اور عزم کا نام ہے جس کا محل دل ہے زبان کے ساتھ اس کا

کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی مخصوص دعا ہے جو روزے کی نیت کے سلسلے میں ثابت ہو۔ ہمارے ہاں جو نہی رمضان کا مہینہ آتا ہے تو سحری و افطاری کے اوقات کے تجارتی کیلنڈر شائع ہو کر تقسیم ہونے لگتے ہیں جن پر اوقات نامہ اور روزہ رکھنے کی نیت کے سلسلے میں یہ دعا لکھی جاتی ہے: ”وَبَصُومٍ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ“ ”میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔“ یہ دعا بالکل من گھڑت اور غیر ثابت ہے۔ لگتا ہے کہ اسے گھڑنے والا عربی زبان سے ناواقف ہے کیوں کہ ”غدا“ کا لفظ ”آنے والی کل“ کے لیے بولا جاتا ہے۔ گزشتہ کل کے لیے ”امس“ اور آج کے لیے ”الیوم“ کا لفظ ہے۔ غور کریں کہ روزہ آج رکھا جا رہا ہے لیکن نیت کل کے روزے کی ہو رہی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تو کیا جس دن تیسواں روزہ ہوگا اس دن کل (عید) کے روزے کی نیت کی جائے گی؟ بہر حال یہ دعا غیر ثابت اور من گھڑت ہے، نیت دل کا فعل ہے بس دل میں عزم مصمم کرے زبان سے ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

(2) جھوٹ بولنا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ

يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (صحیح البخاری: 1903)

”جس آدمی نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور فریب کاری ترک نہ کی تو اللہ تعالیٰ کو

اس کی ضرورت نہیں کہ وہ (روزے کے نام سے) کھانا پینا چھوڑ دے۔“

جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو ہمہ وقت اس سے کنارہ کش رہنا چاہیے مگر روزے کی حالت میں تو اس سے بچنا نہایت ضروری ہے کیوں کہ جگہ و حالت کے حساب سے گناہ میں شدت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لہذا روزے کی حالت میں جھوٹ کی سنگینی بڑھ جاتی ہے اور روزے کے اجر و ثواب پر اثر انداز ہوتی ہے گو ممکن ہے کہ روزے کی فرضیت تو ادا ہو جائے مگر ثواب ضرور جاتا رہے گا۔ واللہ اعلم

(3) قصداً قے کرنا:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَمَنْ اسْتَقَاءَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ))

(سنن الکبریٰ للبیہقی : 8026، قال شیخنا زبیر علی زئی فی انوار

الصحیفة، ص: 88، صحیح)

”جس شخص پر قے غالب آگئی اس پر روزے کی کوئی قضا نہیں اور جس نے

اراداً قصداً قے کی اس پر اس کی قضا ہے۔“

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس روزے دار پر قے غالب آجائے یعنی از خود قے آئے تو اس کا روزہ درست ہے اسے قضائی دینے کی ضرورت نہیں، لیکن جس نے جان بوجھ کر اپنے اختیار اور ارادے سے قے کی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فرضی ہو یا نفلی۔ تاہم فرضی روزے کی قضا دینا ضروری ہوگا۔ ابو مرزوق کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ ان کے پاس اس دن تشریف لائے جس دن آپ ﷺ روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ نے پانی کا برتن مانگا پھر پانی پی لیا، ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ تو اس دن (باقاعدگی سے) روزہ رکھا کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((أَجَلٌ، وَلَكِنِّي قَنُتُ)) ”ہاں، لیکن آج میں نے قے کی تھی۔“ (ابن ماجہ: 1675 قال شیخنا زبیر علی زئی: صحیح)

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور روزہ توڑ دیا (معدان کہتے ہیں) پھر رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے دمشق کی مسجد میں میری ملاقات ہوئی، تو میں نے ان سے کہا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور روزہ توڑ دیا تھا؟ انھوں نے کہا: اس نے سچ کہا ہے اور میں نے ہی آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی انڈیلا تھا۔ (ابوداؤد: 2381۔ قال شیخنا زبیر علی زئی: اسنادہ حسن)

بہر حال قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جس کی شریعت نے معافی کی یہ

صورت رکھی ہے کہ اس کی قضا دے، لیکن اگر قے خود بخود آجائے جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو اس سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ قضا لازم آتی ہے۔ یاد رہے کہ قضا فرضی روزے میں ہے۔ نفلی روزے کی قضا اگرچہ درست ہے مگر لازم نہیں۔

(4) جماع کرنا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا: اللہ کے رسول! میں تو تباہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَا لَكَ؟)) ”کیا بات ہوئی؟“ اس نے کہا کہ میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ((هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا؟)) ”کیا تمہارے پاس کوئی غلام ہے جسے تم آزاد کر سکو؟“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ((فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟)) ”کیا پے درپے دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟“ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ((فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟)) ”کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟“ اس نے اس کا جواب بھی انکار میں دیا۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرا رہا، ہم بھی اپنی اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں سے بھرا ہوا عرق لایا گیا۔ عرق بڑے ٹوکریں کو کھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ((أَيُّنَ السَّائِلِ؟)) ”سائل کہاں ہے؟“ اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ)) ”یہ لے لو اور صدقہ کر دو۔“ یہ سن کر اس شخص نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں؟ واللہ! مدینہ کے پتھر یلے میدانوں کے درمیان میں کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ آپ کے انیاب (نوک دار دانت) تک ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((أَطْعِمُهُ أَهْلَكَ؟)) ”یہ اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔“ (صحیح البخاری : 1936)

اس حدیث سے پتا چلا کہ روزے کی حالت میں بیوی سے جماع کرنا روزے کو ختم کر

دیتا ہے، روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ رمضان کا روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے عمدًا توڑنا بہت سنگین معصیت ہے جس کا تقاضا دوزخ کا عذاب ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرماتے ہوئے کفارے کا حکم دیا ہے جو درج ذیل ہے:

① اپنے اس فعل کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے توبہ واستغفار کرے۔

② اس روزے کی جگہ روزہ رکھے۔

③ بطور کفارہ گردن آزاد کرے۔

④ گردن آزاد نہیں کر سکتا تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔

⑤ روزے بھی نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

روزے کی حالت میں جماع کرنے والے شخص کو یہ کفارہ لازماً ادا کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر کوئی شخص اس قدر فقیر اور محتاج ہو کہ مؤخر الذکر تینوں کاموں میں سے کسی کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ حسب استطاعت صدقہ کرے اور جب مذکورہ تینوں کاموں میں سے کسی پر قدرت پالے تو کفارہ ادا کر دے۔

(5) عورت کو حیض یا نفاس آنا:

اگر حالت روزہ میں کسی عورت کو حیض یا نفاس شروع ہو جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یہ چیز چونکہ غیر اختیاری ہے اس لیے عورت گناہ گار نہ ہوگی شریعت نے قضا رکھی ہے جو ان ایام کے گزرنے پر عورت ادا کرے گی۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْيَسَّ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ

دِينِهَا)) ”کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت حائضہ ہو جاتی ہے تو نہ وہ نماز پڑھ

سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ پس عورتوں کے دین میں کمی کی یہی وجہ

ہے۔“ (صحیح البخاری: 1951)

(6) جان بوجھ کر کھانا پینا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتَسُوا الصَّيَامَ إِلَى الْبَيْلِ ۚ﴾ (البقرہ: 187)

”اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے خوب ظاہر ہو جائے پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوران روزہ کھانا پینا منع ہے۔ اگر کوئی شخص دوران روزہ کچھ کھاپی لے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں:

❖ بھول کر کھاپی لیا تو اللہ کی طرف سے معافی ہے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ حدیث میں ہے کہ ”جب کوئی بھول کر کھاپی لے تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے کھلایا پلایا ہے۔“ (صحیح البخاری: 1933)

❖ جان بوجھ کر کچھ کھاپی لیا ہے تو مسئلہ کی دو صورتیں ہیں:

1: کسی شرعی عذر کی بنا پر ایسا کیا ہے تو اللہ کے ہاں مجرم نہیں تاہم قضا لازم ہوگی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں (فتح مکہ کے لیے) مکہ کی طرف نکلے تو آپ روزے سے تھے لیکن جب آپ مقام کدید پر پہنچے تو روزہ چھوڑ دیا (آپ کو دیکھ کر) صحابہ نے بھی روزہ چھوڑ دیا تھا۔ (صحیح البخاری: 1944)

2: اگر بلا عذر جان بوجھ کر کھاپی لیا ہے تو سخت گناہ ہوگا اور اللہ کے ہاں مجرم ہوگا۔ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے جنہیں الٹا لکایا ہوا تھا اور ان کے جڑے پھٹے ہوئے تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ کے دریافت فرمانے پر بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے پہلے ہی روزہ کھول لیتے تھے۔“ (صحیح ابن خزيمة: 1986، مستدرک حاکم:

1/ 430 وقال: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه۔)



اعداد: ابو محمد عبداللہ اختر

خطاب: محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

حقیقت تقلید

[قسط: 1]

[استاد محترم محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ، کو اللہ تعالیٰ نے کئی خوبیوں سے نوازا رکھا تھا آپ کی تحریر کی طرح تقریر بھی شان دار اور دلائل سے مزین ہوا کرتی تھی۔ اسلامک ریسرچ سینٹر راول پنڈی میں آپ ڈیڑھ گھنٹے کے لگ بھگ ”حقیقت تقلید“ کے عنوان پر مدلل اور تاریخی خطاب فرمایا جو آج بھی یوٹیوب پر موجود ہے اسے ہم معمولی حک و اضافہ کے ساتھ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ محمد ارشد کمال]

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
الْأَمِينِ، أَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ مَنْ هَمَزَهُ وَنَفَخَهُ وَنَفَثَهُ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط﴾ (بنی اسرائیل : 36) وَقَالَ اللّٰهُ
عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرہ : 111)

ہمارے آج کے اس پروگرام کا موضوع ہے: ”تقلید“۔ اہل حدیث کا غیر اہل حدیث کے ساتھ (جس طرح) اصول اور عقائد میں اختلاف ہے۔ اسی طرح فروعی مسائل میں بھی اختلاف ہے۔ اصول اور عقائد کے بعد اہل حدیث اور غیر اہل حدیث کے درمیان تقلید ایک بنیادی مسئلہ ہے اور تقلید کے ساتھ جب نبی ﷺ کی حدیثوں کو رد کیا جائے تو پھر یہ عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے۔ پھر یہ عقیدے اور ایمان کا اختلاف ہے۔ تو آج کا ہمارا موضوع تقلید ہے اور تقلید کے بارے میں ہم ان شاء اللہ دلائل کے ساتھ یہ بیان کریں گے کہ ہم تقلید کیوں

نہیں کرتے؟ کیا وجہ ہے کہ اہل حدیث تقلید نہیں کرتے؟ اس سلسلے میں قرآن کریم کی دو آیات میں نے تلاوت کی ہیں۔ ان شاء اللہ ان کی تشریح آگے بیان میں آئے گی۔

تقلید کے سلسلے میں بحث کرنے سے پہلے میں تقلید کا تعارف کروانا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ عام بھائیوں کو پتا چل جائے کہ تقلید کسے کہتے ہیں۔ یہ کون سی چیز ہے جس میں اہل حدیث کا غیر اہل حدیث سے اختلاف ہے۔

تقلید کی اقسام:

تقلید کی دو بڑی قسمیں ہیں (1) تقلید شخصی (2) تقلید غیر شخصی۔

(1) تقلید شخصی:..... تقلید شخصی کہتے ہیں کہ کسی ایک آدمی کی تقلید کرنا۔ تقلید کرنے والوں کے ساتھ یہ ہمارا اصل اختلاف ہے۔

(2) تقلید غیر شخصی:..... دوسری قسم ہے، تقلید غیر شخصی۔ یعنی کسی ایک آدمی کی تقلید نہ کرنا، بلکہ ہر کسی کی تقلید کرنا۔ چونکہ اس تقلید کا پاکستان میں کوئی وجود نہیں ہے، ہمارے مخالفین بھی اس تقلید کو جائز نہیں سمجھتے۔ اس لیے اس پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اصل اختلاف اصول اور عقائد کے بعد تقلید شخصی کا ہے۔

تقلید کی تعریف:

اب میں آپ کے سامنے لغت کی کتابوں سے، اصول فقہ کی کتابوں سے اور تقلید کرنے والوں کی کتابوں سے تقلید کی تعریف پیش کرتا ہوں تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ دے کہ یہ زیر علی زئی نے تقلید کی تعریف اپنی طرف سے بیان کر دی ہے۔ یہ ہماری تعریف نہیں ہے۔

☆ یہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جس کا نام ہے ”المعجم الوسيط“ یہ عربی لغت کی کتاب ہے، ڈکشنری ہے، بڑی مشہور اور معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں تقلید کی تعریف کرتے ہوئے (صاحب کتاب) لکھتے ہیں: ”وَقَلَّدَ فُلَانًا“ اور فلاں آدمی کی تقلید کی۔ ”اتَّبَعَهُ فِيمَا يَقُولُ أَوْ يَفْعَلُ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ وَلَا دَلِيلٍ“ اس نے

اس (فلاں آدمی) کے قول یا فعل میں بغیر کسی حجت کے یا بغیر کسی دلیل کے اس کی اتباع کی۔ یہ المعجم الوسیط کی جلد نمبر 2 ہے اور صفحہ نمبر 754 ہے۔
اس عبارت میں اہل لغت یہ بتا رہے ہیں کہ بغیر دلیل کے کسی آدمی کی بات کو تسلیم کرنا، اس پر عمل کرنا، اس کی پیروی کرنا، تقلید کہلاتا ہے۔

☆ یہ میرے ہاتھ میں ایک دوسری کتاب ہے ”القاموس الوحید“ یہ بھی لغت کی کتاب ہے۔ یہ تازہ چھپی ہے۔ یہ دیوبندیوں کی طرف سے لکھی گئی کتاب ہے۔ ادارہ اسلامیات لاہور، کراچی سے یہ چھپی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 1346 پر لکھا ہوا ہے کہ: قَلَّدَ فُلَانًا: تقلید کرنا، بلا دلیل پیروی کرنا، آنکھ بند کر کے کسی کے پیچھے چلنا، کسی کی نقل اتارنا جیسے قَلَّدَ الْقِرْدُ الْإِنْسَانَ۔ آگے اس کا ترجمہ نہیں لکھا میں اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں ”بندر نے انسان کی تقلید کی۔“

اسی صفحہ پر دوسری جگہ لکھتے ہیں: التَّقْلِيدُ: بے سوچے سمجھے یا بے دلیل پیروی، نقل، سپردگی۔“

یہ آپ دیکھ لیں کہ بلا دلیل پیروی کو، بے سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے کسی کی بات ماننا، اس کو تقلید کہتے ہیں، یہ تعریف یہ خود کرتے ہیں، یہ کسی اہل حدیث نے تعریف نہیں کی، یہ خود ان لوگوں کی تعریف ہے۔

مقلدین کی چالاکی:

تقلید کرنے والے لوگ بڑی چالاکی کرتے ہیں۔ کبھی بھی اپنے عوام کو یہ تعریف نہیں بتائیں گے۔ تقلید کرنے والے لوگوں کو یہ نہیں بتاتے کہ لوگو! تقلید آنکھیں بند کر کے بے سوچے سمجھے کسی غیر نبی کی۔ نبی کے علاوہ کسی امتی کی بات ماننا تقلید ہے۔ کیوں کہ اگر لوگوں کو اس بات کا پتا چل جائے تو پھر اس کے رد کے لیے دلائل کی ضرورت نہیں۔ لوگ خود ہی انھیں جوتے ماریں گے کہ تم ہم سے آنکھیں بند کر کے، بے سوچے سمجھے، بغیر دلیل کے اپنی بات منوانا چاہتے ہو۔

آج کے دور میں تقلید کرنے والوں سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ دلیل بتاؤ۔ یہ میرے پاس ایک اخبار ہے جس کا نام ہے ”ضرب مومن“ یہ 15 اپریل 1999ء کا ہے اور ہجری لحاظ سے 21 تا 27 ذی الحجہ 1419ھ کا یہ اخبار ہے۔ اس میں لوگوں نے مفتی صاحب کو خط لکھے ہیں۔ یہ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اردو میں ہے کسی اور زبان میں نہیں (عنوان ہے) ”آپ کے مسائل کا حل“ لوگ سوال پوچھتے ہیں۔ کسی نے مسبوق کے بارے میں سوال پوچھا ہے یعنی کوئی آدمی مسجد میں جائے اور نماز کی ایک، دو یا تین رکعتیں گزر چکی ہیں تو پھر وہ کیا کرے؟ سوال کرنے والے نے یہ لکھا ہے کہ آپ دلیل سے مطمئن کریں۔ مفتی صاحب جواب دیتے ہیں کہ عوام کے لیے دلائل طلب کرنا جائز نہیں۔ اور آگے لکھا ہے کہ عوام کو علماء سے صرف مسئلہ پوچھنا چاہیے مقلد کے لیے اپنے امام کا قول ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔

تو اس اخبار سے بھی ثابت ہوا کہ ان لوگوں کے عوام یہ کہتے ہیں کہ ہمیں دلیل سے جواب دو۔ ثبوت اور دلیل سے بات کرو۔

☆ یہ تیسری کتاب ہے جس کا نام ہے ”مسلم الثبوت“ ان حوالوں کو سن لیں، غور کریں۔ بعض اوقات دھواں دار تقریر کر کے قصے وغیرہ بیان کر کے لوگ چلے جاتے ہیں۔ لیکن حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ تو یہ ہے ”مسلم الثبوت“ یہ فقہ حنفی کے اصول کی کتاب ہے اور ان کے مدرسوں میں پڑھائی بھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 289 پر لکھتے ہیں: فَصْلُ: التَّقْلِيدُ: الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنَ غَيْرِ حُجَّةٍ“ تقلید یہ ہے کہ کسی غیر کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا۔

غیر سے غیر نبی مراد لیتے ہیں جتنے امتی ہیں سب غیر ہیں۔ یہ مسلم الثبوت کی عبارت ہے آگے بھی لمبی بحث ہے۔ آگے یہ لکھا ہے کہ حدیث ماننا، اجماع ماننا یہ تقلید نہیں ہے اور ان پڑھ کا عالم سے جا کر مسئلہ پوچھنا یہ بھی تقلید نہیں ہے۔“

☆ اسی طرح اردو حوالہ بھی سن لیں، اس کتاب کا نام ہے۔ ”الافاضات الیومیہ من

الافادات القومية“ اردو میں اس کا نام ہے ”ملفوظات حکیم الامت“ جناب اشرف علی تھانوی صاحب جو دیوبندی علماء میں بڑی حیثیت والے ہیں، جنہیں دیوبندی حضرات ”حکیم الامت“ کہتے ہیں۔ یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون گیٹ ملتان سے چھپا ہوا ہے، اس کی یہ تیسری جلد ہے، اس کے صفحہ نمبر 159 پر لکھا ہے: ”ایک صاحب نے عرض کیا کہ تقلید کی حقیقت کیا ہے اور تقلید کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: تقلید کہتے ہیں امتی کا قول ماننا بلا دلیل۔“

بات سمجھ آئی؟ کہتے ہیں کہ بغیر دلیل کے امتی کا قول ماننا یہ تقلید کہلاتا ہے۔ آگے لکھا ہے: ”عرض کیا کہ کیا اللہ اور رسول کے قول کو ماننا بھی تقلید کہلائے گا؟ فرمایا کہ اللہ اور رسول کا حکم ماننا تقلید نہ کہلائے گا وہ اتباع کہلاتا ہے۔“

یہ دیکھ لیں، محفوظ کر لیں کہ تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی بات ماننا تقلید نہیں ہے۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، انہی کی کتابوں سے پیش کر رہے ہیں۔ ☆ یہ بریلوی حضرات کی کتاب ہے، ”جاء الحق“ مفتی احمد یار نعیمی کی کتاب، نعیمی کتب خانہ گجرات سے یہ چھپی ہوئی ہے۔ مفتی صاحب بھی گجراتی تھے۔ اس کتاب کی پہلی جلد میں صفحہ 16 پر یہ عبارت ہے جو میں آپ کے سامنے پڑھنے والا ہوں۔ کہتے ہیں ”مسلم الثبوت میں ہے: ”التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ“ ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہوا ہے۔“ انھوں نے ترجمہ نہیں کیا، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ بغیر دلیل کے دوسرے کی بات پر عمل کرنا تقلید ہے۔“

پھر آگے مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں: ”اس تعریف سے معلوم ہوا ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ان کا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے۔ تقلید میں ہوتا ہے دلیل شرعی کو نہ دیکھنا لہذا ہم حضور ﷺ کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور ﷺ کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیوں کہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان

کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں بناتا بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فعل غلط تھا، کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے۔ بخلاف قول امام ابو حنیفہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔“

بات سمجھ آئی؟ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بغیر دلیل کے کسی کی بات ماننا تقلید کہلاتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات ماننا تقلید نہیں ہے۔

مقلدین کی ایک اور چالاکی:

میں ذرا تفصیل سے تقلید کے حوالے دینا چاہتا ہوں کیوں کہ اس (تقلید کی تعریف) میں عام طور پر چالاکی کی جاتی ہے۔ جو بھی اہل حدیث کے مخالف ہیں، کسی بھی قسم کا مقلد ہو وہ تقلید کا مفہوم ہی بدل دیتے ہیں۔ تقلید کا معنی بدل کر پھر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ دیکھو جی یہ صحیح بخاری کو ماننا بھی تقلید ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عالم سے مسئلہ پوچھنا بھی تقلید ہے حالاں کہ یہ تقلید نہیں ہے۔ انھوں نے خود اس کا رد کر رکھا ہے۔ یہ مفتی احمد یار نعیمی صاحب جو بریلوی ہیں یہ اہل حدیث تو نہیں تھے، وہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ (عالم سے مسئلہ پوچھنا) تقلید ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، خود اپنے مولوی کے نزدیک بھی جھوٹ بولتا ہے۔

☆ یہ ”شرح صحیح مسلم“ ہے۔ صحیح مسلم کی، غلام رسول سعیدی صاحب نے شرح لکھی ہے۔ یہ غلام رسول سعیدی صاحب بریلوی ہیں اور یہ شرح بھی اردو زبان میں ہے۔ میں اردو کے حوالے اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں نے غلط ترجمہ کیا ہے۔ جلد نمبر 3 ہے اور صفحہ نمبر 329 ہے۔ غلام رسول سعیدی صاحب کہتے ہیں کہ شیخ ابواسحاق نے کہا: بلا دلیل قول کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔“ پھر تین چار

سطریں آگے جا کر لکھتے ہیں: لیکن رسول اللہ ﷺ کے قول کی طرف رجوع کرنا یا مجتہدین کے اجماع کی طرف رجوع کرنا یا عام آدمی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا گواہوں کے قول پر فیصلہ کرنا تقلید نہیں ہے۔“
یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بات ماننا تقلید نہیں ہے اور تقلید بلا دلیل بات کو کہا جاتا ہے۔

اس طرح کے بہت سے حوالے ہیں۔ ہم حضرو سے ”الحدیث“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کرتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے وہ بہت تحقیقی رسالہ ہے۔ اس رسالے میں میرا تحقیقی مضمون ”دین میں تقلید کا مسئلہ“ چھپا ہے اس میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے بے شمار حوالے دیے ہیں، لغت کی کتابوں سے، اصول فقہ کی کتابوں سے، حنفیوں، دیوبندیوں کی کتابوں سے، بریلویوں کی کتابوں سے، محدثین کی کتابوں سے، بے شمار کتابوں سے میں نے حوالے دیے ہیں کہ تقلید کسے کہتے ہیں۔^①
آل تقلید کیا چالاکی کرتے ہیں؟ اب وہ دیکھیں:

یہ میرے پاس کتاب ہے ”تقلید کی شرعی حیثیت“ یہ ایک مولوی صاحب نے لکھی ہے، تقی عثمانی صاحب، پڑھے لکھے بھائیوں نے نام سنا ہوگا۔ دیوبندیوں میں بڑا مقام ہے، دیوبندی انھیں ”شیخ الاسلام“ بھی کہتے ہیں یہ کتاب تقلید ثابت کرنے کے لیے لکھی گئی ہے کہ تقلید کرنی چاہیے، یہ مکتبہ دارالعلوم کراچی سے چھپی ہوئی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 14 پر تقلید کی جو تعریف بیان کی ہے یہ بھی سن لیں۔ یہ تعریف نہ لغت میں لکھی ہوئی ہے، نہ اصول فقہ میں لکھی ہوئی ہے، کہتے ہیں: تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول مآخذ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کیے بغیر عمل کر لینا۔“

یہ ”دلیل کا مطالبہ“ انھوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے یہ لوگ اس طریقے سے یہ

① افسوس کہ اب کافی عرصہ سے الحدیث شائع نہیں ہو رہا تاہم اس مسئلہ پر شیخ محترم کی کتاب ”دین میں تقلید کا مسئلہ“ موجود ہے۔ جو اپنے موضوع پر شاندار اور لا جواب کتاب ہے۔

ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم جس کے قول پر عمل کرتے ہیں اس کے پاس دلیل ہوتی ہے ہم دلیل کا مطالبہ نہیں کرتے۔ حالاں کہ ان کے علماء نے لکھا ہے کہ من غیر حجة ولا دلیل بغیر حجت کے بغیر دلیل کے آنکھیں بند کر کے بے سوچے سمجھے اندھا دھند پیروی کرنا۔ اس کتاب میں ایک لطیفہ یہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے علیم و قدیر ہے اس نے اس آدمی کے اپنے قلم سے ایک ایسی بات لکھوا دی جس سے یہ ساری کتاب ختم ہے۔ صفحہ نمبر 65 پر تقلید شخصی کے بارے میں کہتا ہے: ”یہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا بلکہ ایک انتظامی فتویٰ تھا۔“ یہ تقلید جو ہے کوئی شریعت کا حکم نہیں ہے، بلکہ ایک انتظامی مسئلہ تھا تو جب یہ تقلید شریعت کا حکم نہیں ہے تو کتاب کے اوپر کیوں لکھا ہے کہ ”تقلید کی شرعی حیثیت؟“ یہ تو اپنی کتاب کو خود ہی ختم کر دیا۔ اپنے ہاتھوں مذہبی خودکشی کی یہ ایک عظیم مثال ہے۔ جب یہ شرعی حیثیت ہے ہی نہیں تو کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جب یہ شرعی حیثیت ہے تو اندر کیوں لکھا کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں؟

✽ یہ ”ادلہ کاملہ“ ایک کتاب ہے جو محمود الحسن دیوبندی نے لکھی تھی جس کا محمد حسین بٹالوی صاحب نے جواب دیا تھا، اب دیوبندیوں نے اس کتاب کی تشریح کر کے اسے شائع کیا ہے اور ”تسہیل ادلہ کاملہ“ اس کا نام رکھا ہے جو اندر لکھا ہوا ہے۔ یہ کراچی قدیمی کتب خانہ سے چھپی ہے۔ مفتی سعید احمد پالن پوری اور محمد امین پالن پوری۔ جو دارالعلوم دیوبند کے استاد ہیں۔ انھوں نے اس کی تشریح لکھی ہے۔ اس میں صفحہ نمبر 82 پر یہ مفتی حضرات ”تسہیل ادلہ کاملہ“ میں لکھتے ہیں: ”علماء سے مسائل پوچھنا پھر اس کی پیروی کرنا ہی تقلید ہے۔“ ”ہی تقلید“ کا مطلب ہے کہ اور تقلید کچھ بھی نہیں ہے۔ سمجھ آئی؟ یہ جو تعریف انھوں نے لکھی ہے یہ انھوں نے خود بنائی ہے، کیوں کہ نہ تو لغت کی کتابوں میں یہ تعریف ہے اور نہ ہی ان کی اپنی کتابوں میں یہ تعریف ہے اور نہ ہی یہ خود اس تعریف پر عمل کرتے ہیں۔ دیکھئے! دیوبندی علماء سے ان کے عوام مسائل پوچھتے ہیں یا نہیں؟ بریلوی علماء سے ان

کے عوام مسائل پوچھتے ہیں یا نہیں؟ جب پوچھتے ہیں تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ اب حنفی نہیں رہا۔ مثلاً: یونس نعمانی سے مسئلہ پوچھنے والا آدمی جو ہے اس کے متعلق دیوبندی حضرات کہیں کہ اب یہ حنفی نہیں رہا، اب یہ یونس نعمانی کا مقلد ہے۔ طاہر القادری صاحب سے مسئلہ پوچھنے والا اب طاہری ہو گیا ہے حنفی نہیں رہا۔ ایسا کوئی بھی نہیں کہتا۔ جب مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے تو کس طرح یہ دھوکا دیتے ہیں؟ اس کو کہتے ہیں کہ مخالفین کی اپنی طرف سے ایک کمزور پوزیشن گھڑ کر اس پر حملہ کرنا، یہ بزدلوں اور نامردوں کا کام ہے۔ دلیر آدمی ایسا نہیں کرتا۔ اگر وہ اہل حدیث پر رد کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کتابوں سے، لغت کی کتابوں سے تقلید کی تعریف بیان کریں پھر اس کا ثبوت پیش کریں۔

✽ تقلید کے سلسلے میں یہ ایک اور کتاب ہے۔ جو حوالے دیے جا رہے ہیں ان میں سے یہ آخری حوالہ ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ”شریعت و طریقت کا تلازم“ زکریا صاحب تبلیغی جماعت والے، انھوں نے یہ کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں: ”کیوں کہ تقلید کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ فروعی مسائل فقہیہ میں غیر مجتہد کے قول کو تسلیم کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا اس اعتماد پر کہ اس مجتہد کے پاس دلیل ہے۔“

یہ تعریف انھوں نے خود گھڑی ہے، اس لیے یہ کوئی تعریف نہیں نہ کتب لغت میں یہ تعریف ہے اور نہ اصول فقہ میں اور نہ حنفیوں کے بڑے علماء نے یہ تعریف کی ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ یہ لوگ تقلید کی غلط تعریف کر کے اپنی عوام کو اہل حدیث سے متنفر کرتے ہیں، تقلید کی صحیح تعریف وہی ہے جو میں نے لغت کی کتابوں سے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے ”آنکھیں بند کر کے، بے سوچے سمجھے، بغیر دلیل کے، بغیر حجت کے کسی امتی کی بات ماننا“ بات سمجھ آئی؟ کیا کوئی ہوش والا آدمی اس کو جائز سمجھ سکتا ہے؟ جب یہ تعریف سمجھ آ جائے تو کوئی ایسا آدمی نہیں جو اسے صحیح کہہ سکے۔ [جاری ہے]



حافظ ابو یحییٰ نور پوری

تاخیر سے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی توہین

قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے اہل سنت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ سب صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ترین افراد تھے، سب سے اللہ راضی ہوا اور سب کے سب جنتی ہیں۔ صحابہ کرام کے فضائل و مناقب اور سبقتِ اسلام کے حوالے سے مراتب و درجات ضرور ہیں، لیکن رضوانِ الہی سب کو حاصل ہے۔ سورہ حدید (آیت: 10) میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر بہت واضح الفاظ میں اعلان فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ ط أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَتْلُوا ط وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط﴾

”تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے مال خرچ کیا اور قتال کیا ہے، وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں، جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا۔ ہاں، بھلائی (جنت) کا وعدہ تو اللہ نے سب سے کیا ہے۔“

قرآن و سنت اور فہم سلف کے خلاف تفسیر کرتے ہوئے مرزا علی جہلمی صاحب نے کہا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ جو ان کے ساتھی ہیں۔ ﴿أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ وہ کافروں پر تو بڑے سخت ہیں، ﴿رَحِمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ لیکن آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔ ”ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے ہیں۔ لیکن یاد رکھیے گا، یہ تمام صحابہ کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آیات نازل ہوئیں۔ اس سے مراد بعد کے لوگ

نہیں ہیں۔ یہ وہ چودہ سو صحابہ کی شان ہے۔ اسی لیے میں نے اوپر وہ آیت رکھی تھی کہ اللہ کن سے راضی ہوا؟ صلح حدیبیہ کے (صحابہ سے) اور انہی کے Context (سیاق) میں یہ آخری آیت اسی سورت کی آرہی ہے کہ یہ وہ صحابہ ہیں۔ اب یہ پکڑ کہ وہ فتح مکہ کے بعد جو معافیاں مانگ کے مسلمان ہوئے، پوری زندگی اسلام کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے رہے اور بعد میں موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا۔ ان کے اوپر یہ آیات لگانا تو یہ قرآن پاک کے ساتھ خیانت کرنا ہے اور اپنا لقمہ قرآن کے منہ میں ڈالنے والی بات ہے۔ اس سے بڑی کوئی خیانت نہیں ہو سکتی۔“ (لیکچر مسئلہ 96، وقت 32:25 تا 33:40)

مرزا صاحب کی یہ باتیں قرآن و سنت سے صریح جہالت اور صحابہ کرام کی واضح گستاخی پر مبنی ہیں۔ کچھ قابل غور نکات یہ ہیں:

1: اگر کوئی آیت کسی خاص موقع پر نازل ہو لیکن اس کے الفاظ عام ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا مفہوم صرف اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے۔ ایسا سوچنا قرآن کریم سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کے جو الفاظ کسی خاص واقعہ میں نازل ہوئے، وہ الفاظ اسی تناظر کے باقی لوگوں کے لیے بھی عام تھے۔ اس کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں:

(ا) سب مسلمان اس بات کے اقراری ہیں کہ آیت ظہار (المجادلہ 58:3) خاص سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، لیکن اس کا حکم ان سب لوگوں کے لیے عام ہے جو ظہار کریں۔

(ب) لعان کی آیت بالاتفاق سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر نازل ہوئی، لیکن سب مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ باقی سارے مسلمان بھی اس حکم میں شامل ہیں، جن کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آجائے۔

کیا اب مرزا صاحب ان آیات کے بارے میں بھی یہ کہے گا کہ ظہار والی آیت سیدنا

اوس بن صامت رضی اللہ عنہ اور لعان والی آیت سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، لہذا ان آیات کا حکم بھی صرف انہی دو صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اسے بعد والے مسلمانوں پر فٹ کرنا خیانت ہے؟

مزے کی بات تو یہ ہے کہ ظہار اور لعان والی آیات میں بھی عام الفاظ وَالَّذِينَ (وہ لوگ جو) ہیں اور شانِ صحابہ والی آیت میں بھی عام الفاظ وَالَّذِينَ (وہ لوگ جو) ہی ہیں۔ آئیے بالترتیب آیت ظہار، آیت لعان اور آیت شانِ صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ﴾ (المجادلة 58 : 3)

”وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔۔۔“

﴿وَالَّذِينَ يُرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ (النور 24 : 4)

”وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں۔۔۔“

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾

(الفتح 48 : 29)

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔“

اگر خاص واقعہ پر نازل ہونے کے باوجود ظہار اور لعان والی آیات کا حکم خاص نہیں، بلکہ عام الفاظ کی وجہ سے اُن سب لوگوں کے لیے عام ہے جن کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آئے، تو رضائے الہی اور اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم والا امر بھی عام الفاظ کی وجہ سے اُن سب لوگوں کے لیے عام کیوں نہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بنے؟

2: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی قرآنی آیت کسی خاص صحابی کے بارے میں نازل ہو اور اس کے الفاظ بھی خاص ہی ہوں، تو بھی وہ اسی صحابی کے ساتھ خاص نہیں رہتی، بلکہ اس کے خاص الفاظ کا حکم بھی عام ہو جاتا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

إِنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنْ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَأَخْبَرَهُ،
فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَ زُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ ط
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط﴾ (هود: 114)، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا
رَسُولَ اللَّهِ! أَلَيْ هَذَا؟ قَالَ: ((لَجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ)).

”ایک صحابی (غیر محرم) عورت کو بوسہ دے بیٹھا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت
میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”تَوْصِح
شام اور رات کے اندھیرے میں نماز قائم کر، کیوں کہ نیکیاں بُرائیوں کو ختم کر
دیتی ہیں۔“ اس آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا یہ حکم صرف میرے لیے
ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، بلکہ میری ساری امت کے لیے۔“

(صحیح البخاری: 526، 4687، صحیح مسلم: 2763)

اب اس آیت میں جو الفاظ ہیں، وہ واحد کے صیغے کے ساتھ اُسی صحابی کے لیے تھے،
لیکن اس کے باوجود حکم کو اُن سب لوگوں کے لیے عام رکھا گیا جو ایسا کرتے ہیں۔ جب
خاص الفاظ کا حکم بھی عام ہو جاتا ہے تو جو الفاظ ہوں ہی عام، ان کے حکم کو خاص قرار دینا اور
ان کے عموم کو خیانت قرار دینا کون سی دینی خدمت ہے؟

3: اہل سنت کے کسی ایک بھی مفسر یا اہل علم نے اس آیت کو اہل شجرہ کے لیے خاص قرار
نہیں دیا اور یہ نہیں کہا کہ اس میں صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لانے والے صحابہ کرام شامل
نہیں ہیں۔ سب نے اسے عام قرار دیتے ہوئے سب صحابہ کرام کی شان میں بیان کیا
ہے۔ شائقین اس حوالے سے تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔
کیا اسلاف امت قرآن کریم کی تفسیر کو بہتر سمجھتے تھے یا آج کے وہ لوگ، جو تفسیر کی
ابجد سے بھی جاہل ہیں، وہ زیادہ سمجھتے ہیں؟

4: سب صحابہ کرام کے رضائے الہی کا بیان اگرچہ یہاں صلح حدیبیہ کے تناظر میں بیان ہوا
ہے، اگر اسے چودہ سو صحابہ کے لیے خاص بھی سمجھ لیا جائے تو سورہ توبہ اور سورہ حدید

کی ان صریح آیات کا کیا کیا جائے گا، جس میں بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام کو بھی واضح انداز میں یہی خوش خبری سنائی گئی؟

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝﴾ (التوبة: 100)

”مہاجرین و انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والے اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کے راستے پر چلے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“
یہاں سابقین و اولون کے ساتھ ساتھ بعد میں ایمان لانے والوں کے لیے بھی وہی رضائے الہی اور جنت کی بشارت موجود ہے۔

❀ نیز صحابہ کرام کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلٍ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَتْلُوا ط وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝﴾ (الحديد: 57: 10)

”تم میں سے وہ لوگ (باقی صحابہ کے) برابر نہیں جنہوں نے فتح سے قبل مال خرچ کیا اور قتال کیا، بلکہ یہ لوگ ان لوگوں سے بڑے اجر والے ہیں، جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔“

❀ اس آیت کی تفسیر میں امام تفسیر، علامہ محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: ﴿وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى ط﴾، يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ: وَكُلُّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلُوا، وَالَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتِلُوا، وَعَدَ اللَّهُ الْجَنَّةَ بِإِنْفَاقِهِمْ فِي سَبِيلِهِ، وَقَاتِلِهِمْ أَعْدَاءَهُ.

”فرمانِ باری تعالیٰ ”اور اللہ نے سب کے ساتھ اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے۔“ میں اللہ فرماتا ہے: یہ سب صحابہ جنہوں نے فتح سے قبل مال خرچ کیا اور دشمنوں سے قتال کیا اور جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور قتال کیا، اللہ تعالیٰ نے سب کو ان کے مال خرچ کرنے اور دشمنوں سے قتال کرنے کی وجہ سے جنت کا وعدہ دیا ہے۔“ (جامع البیان فی تأویل القرآن: 177/23)

یعنی فتح سے پہلے والے صحابہ ہوں یا بعد والے، سب سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر جنت میں دخول ممکن ہے؟ اس آیت میں تحریف معنوی کرتے ہوئے مرزا صاحب نے کہا ہے:

﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ (آیت میں) ’تم‘ کا لفظ ہے، جو علی مرزا صاحب نے اپنی جہالت سے ’وہ‘ میں بدل دیا ہے) اعمال کر رہے ہیں۔“ یعنی اوپن لائنس نہیں دے دیا کہ اعمال کی بنیاد پہ فیصلہ ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ خالی کلمہ پڑھ لیا ہے تو اب جنت جو ہے وہ گارنٹیڈ ہو گئی ہے، حضور کو دیکھ لیا ہے تو اب گارنٹیڈ ہو گئی ہے، اس طریقے سے نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے، دیکھے گا۔“ (مسئلہ 96، وقت 37:21 تا 37:43)

حالاں کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ اس آیت میں تو فتح سے پہلے اور بعد والے تمام صحابہ کرام کے لیے جنت کی واضح بشارت دے دی گئی ہے، پھر یہ کہنا کہ بعد والوں کو جنت کا اوپن لائنس نہیں ملا اور جنت ان کے لیے پکی نہیں ہوئی، واضح معنوی تحریف ہے۔ رہی اعمال سے خبردار ہونے کی بات، تو وہ بطور حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے نہ کہ بطور

تنبیہ۔ یعنی اس لیے نہیں کہی گئی کہ تمہارے اعمال کو دیکھا جائے گا اور فیصلہ کیا جائے گا کہ فتح کے بعد والے صحابہ نے جنت میں جانا ہے یا نہیں، بلکہ اس لیے کہ بعد والوں کا مال خرچ کرنا اور قتال کرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لہذا وہ ضرور اس کے بدلے میں جنت کا انعام دے گا۔

✽ انہی الفاظ کے بارے میں امام تفسیر، علامہ محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ (224-310ھ)

فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ: وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ مِنَ النَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَقِتَالِ أَعْدَائِهِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنْ أَعْمَالِكُمُ الَّتِي تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ، لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْهَا شَيْءٌ، وَهُوَ مُجَازِيكُمْ عَلَى جَمِيعِ ذَلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”فرمان الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو، اسے خوب جاننے والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم انفاق فی سبیل اللہ اور دشمنوں سے لڑائی وغیرہ کی صورت میں جو اعمال صالحہ کرتے ہو، ان سے خوب واقف ہے، ان میں سے کوئی نیک عمل اس سے مخفی نہیں، لہذا وہ ان تمام اعمال کی جزا روز قیامت تمہیں

عطا فرمائے گا۔“ (جامع البیان فی تأویل القرآن: 177/23)

اب امام تفسیر علامہ طبری رحمہ اللہ کی تفسیر صحیح مانی جائے یا اس جاہل کی تفسیر پر اعتماد کیا جائے جو تعملمون (تم عمل کرتے ہو) اور یعملون (وہ عمل کرتے ہیں) کا فرق بھی نہیں

جانتا؟

یاد رہے کہ صحابہ کرام کے درجات میں تفاوت سے کسی کو انکار نہیں۔ فتح سے پہلے اور بعد والے صحابہ کرام کے درجات میں فرق ضرور ہے، لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں سیدنا علی، سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سمیت دیگر صحابہ کے درجہ میں فرق ہے۔ اس فرق سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ کچھ صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ راضی اور کچھ سے راضی نہیں تھا یا کچھ صحابہ کرام کافروں پر سخت اور کچھ سخت نہیں تھے۔

5: مرزا صاحب کو کیسے پتا چلا کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے صحابہ کرام نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا؟ سبحانک ہذا بہتان عظیم ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث سے یا تو بالکل جاہل ہو یا اس کو صریحاً جھٹلاتا ہو۔

✽ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ، فَصَبَّحْنَا الْحُرَقَاتِ مِنْ جُھَيْنَةَ، فَأَدْرَكْتُ رَجُلًا، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَطَعَنْتُهُ، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِنْ ذَلِكَ، فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ((أَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَقَتَلْتَهُ؟)) قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السَّلَاحِ، قَالَ: ((أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتَّى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟)) فَمَا زَالَ يُكْرِرها عَلَيَّ، حَتَّى تَمَنَيْتُ أَنِّي أَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جنگ میں بھیجا۔ ہم صبح کے وقت حرقات مجینہ (جگہ کا نام) میں تھے۔ میں نے وہاں ایک آدمی کو دیکھا (اور اسے قتل کرنا چاہا) تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا، لیکن میں نے اسے تیر مارا (اور قتل کر دیا)۔ اس بارے میں میرا دل شبہ میں پڑ گیا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: ”کیا اس کے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟“ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس نے تو اسلحہ کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ اس نے کلمہ ڈر سے پڑھا تھا یا نہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (غصے سے) مجھے یہ بات بار بار فرماتے رہے، حتیٰ کہ میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میں آج ہی

مسلمان ہوا ہوتا (اور یہ جرم مجھ سے سرزد نہ ہوا ہوتا)۔“

(صحیح البخاری: 4269، 6872، صحیح مسلم: 158، واللفظ لہ)

ایک صحابی نے کسی کلمہ پڑھنے والے ایسے شخص کے بارے میں جو صحابی بھی نہ تھا، یہ کہہ دیا کہ اس نے تو موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا اور اس صحابی کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ ایسا کہنا جائز نہیں۔ پھر بھی آپ ﷺ اس پر سخت ناراض ہوئے، تو چودھویں صدی کے کسی شخص کا ایسے لوگوں کے بارے میں یہ بات کہنا کیسے قرآن و سنت کی مخالفت اور واضح گستاخی نہیں ہو گا، جو اہل سنت کے ہاں بالاتفاق صحابی رسول ہوں اور جنہیں رضائے الہی اور جنت کی ضمانت بھی مل چکی ہو؟

ہم مرزا صاحب سے کہتے ہیں: کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال کا حساب لینا ہے؟ جب یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے سیدنا ابوسفیان اور سیدنا معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا دل چیر کے دیکھا تھا کہ انھوں نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا یا اللہ کو راضی کرنے کے لیے تو کیا جواب دو گے؟

6: اگر ایمان لانے سے پہلے اسلام کی مخالفت یا کلمہ پڑھنے میں تاخیر اسلام لانے کے بعد کوئی جرم شمار ہوتا ہے تو یہی بات اگر کوئی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا موازنہ کرتے ہوئے کہہ دے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو شروع شروع میں مسلمان ہو گئے تھے، جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک عرصے تک اسلام اور مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرے گھونپتے رہے، پھر خلافت کے حق دار عمر رضی اللہ عنہ پہلے کیسے بن گئے تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟

ویسے بھی اسلام قبول کرتے وقت ہی اللہ تعالیٰ پہلے والے سارے جرائم کو نہ صرف معاف فرما دیتا ہے، بلکہ ان جرائم کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ

حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝﴾ (الفرقان 25: 70)

”ہاں جن لوگوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کیے، تو یہ ایسے لوگ ہیں



جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا خوب مہربان ہے۔“

لہذا اسلام سے پہلے کیے گئے جرائم اور اسلام میں تاخیر کو صحابہ کرام کی شان و فضیلت کے خلاف پیش کرنا رافضیوں کا کام ہے، مسلمانوں کا ہرگز نہیں۔

7: اگر یہ آیات چودہ سواصحابِ شجرہ کے لیے خاص ہیں تو کیا جو صحابہ مکہ مکرمہ میں کفار کے ہاتھوں شہادت پا گئے تھے یا جو مدینہ میں آ کر بدر واحد میں شہید ہو گئے تھے یا جو صلح حدیبیہ سے پہلے طبعی طور پر فوت ہو گئے، وہ بھی ان آیات کے عموم میں داخل نہیں ہوں گے؟ کیا ان کے حوالے سے بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ چونکہ چودہ سواصحابِ شجرہ میں شامل نہیں تھے اور یہ آیات اصحابِ شجرہ کے بارے ہی میں نازل ہوئی تھیں، لہذا نہ ان کے لیے رضائے الہی کی ضمانت ہے نہ وہ اشداء علی الکفار اور رحماء بینہم تھے؟

اگر اس فضیلت میں پہلے والے ان صحابہ کرام کو شامل کر لیا جائے جو صلح حدیبیہ میں موجود نہیں تھے اور اس سے ادنیٰ خیانت بھی لازم نہ آئے، لیکن اگر اس فضیلت میں بعد والے صحابہ کرام کو شامل کر لیا جائے تو یہ سب سے بڑی خیانت بن جائے؟ واہ کیا انصاف ہے!!!

قارئین کرام! اللہ شاہد ہے کہ یہ تحریر محض اصلاح کے لیے ہے۔ تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں سے ہٹا کر اسے پڑھیے اور انصاف سے فیصلہ کیجیے کہ کیا اب بھی مرزا محمد علی جہلمی صاحب کے نظریات کو قرآن و سنت کے خلاف قرار نہ دیا جائے، کیا اب بھی اسے صحابہ کرام کا گستاخ نہ کہا جائے؟ کیا اب بھی اسے اہل سنت والجماعت کے عقیدے سے منحرف نہ مانا جائے؟ کیا اب بھی کچھ صحابہ کرام کو رضائے الہی سے محروم سمجھا جائے؟ اور کیا اب بھی کافروں کے لیے سخت اور مؤمنوں کے لیے نرم ہونے کا وصف سب صحابہ کرام کے لیے بیان نہ کیا جائے؟

جمع وترتيب: محمد ارشد کمال

القول القوی فی نقد الرجال للشیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

[”القول القوی فی نقد الرجال للشیخ زبیر علی زئی“ دراصل محدث العصر شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے راویان حدیث پر احکام کا وہ مجموعہ ہے جسے راقم نے شیخ کی زندگی ہی میں ترتیب دے دیا تھا۔ یہ کام بکھرا پڑا تھا راقم نے دن رات ایک کر کے اسے یکجا کیا اور کمپوز کروا کر شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تو شیخ رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے اور دعا دی آپ نے اس مسودے پر دو بار نظر ثانی بھی فرمائی۔ بیمار ہونے سے دو دن قبل مجھے فون کیا اور لاہور آنے کا بتایا میں نے ”القول القوی“ کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ اس بار اسے فائل کر کے جاؤں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا شیخ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہ مسودہ جوں کا توں پڑا رہا۔ تا آنکہ احباب کے اصرار پر اسے ماہنامہ ”اشاعت الحدیث“ میں شائع کرنا شروع کر دیا ابھی آغاز ہی تھا انہتر (79) راویان حدیث کا تذکرہ چھپا تھا کہ اشاعت الحدیث تعطل کا شکار ہو گیا۔ اب اس سلسلے کو ہم وہیں سے شروع کر رہے ہیں جہاں سے موقوف ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور اسے شیخ رحمہ اللہ اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ محمد ارشد کمال]

من اسمه: أجلاح، وأحمد

(80) أجلاح بن عبد الله بن حجة الكندي

ثقة صدوق عند الجمهور فهو حسن الحديث . [الحديث : 40/15]

(81) أحمد بن إبراهيم بن شاذان

ثقة . [الحديث : 35/84]



(82) أحمد بن إبراهيم الإسماعيلي

ثقة إمام وهو برئ من التدليس . [الفتح المبين، ص: 212]

(83) أحمد بن إبراهيم المقدسي، أبو محمود

محدث مشهور، أثنى عليه الذهبي، ترجمته في الدرر الكامنة.

(242/1 ت 620) توفي 765هـ، رحمه الله وانظر ص: 174 لمنظومته.

[الفتح المبين، ص: 13]

(84) أحمد بن إسحاق الجوهري

شيخ ثقة . [الحديث: 25/46]

(85) أحمد بن إسحاق الصبغي النيسابوري، أبو بكر

ثقة إمام . [الحديث: 41/81]

(86) أحمد بن إسحاق القاضي الدينوري

لم أجد ترجمته . [الحديث: 16/2]

(87) أحمد بن بديل بن قريش الياامي

أحمد بن بديل حدث عن حفص بن غياث وغيره أحاديث أنكرت

عليه . (مشكاة المصابيح: 287/1) قال ابن عدي: "أحمد بن بديل يروى

عن حفص بن غياث وغيره مناكير وهو ممن يكتب حديثه مع

ضعفه (الكامل 189/1، 190). [أنوار الصحيفة، ص: 408]

(88) أحمد بن بشر بن حبيب البيروتي

لم أجد من وثقه . [الحديث: 8/71]

(89) أحمد بن بشر بن سعد المرثدي

محمق يعني أحرق فهو علة الخبر وخبر شاذ مرة . [مشكاة

المصابيح: 295/2]



(90) أحمد بن الجعد الوشاء، أبو بكر

لم أجد من وثقه . [الحديث : 13/59]

(91) أحمد بن جعفر بن حمدان بن مالك العطيعي، أبو بكر

ثقة عند الجمهور، فالجرح فيه مردود . [الحديث : 22/26 - 24،

ملخصاً]

(92) أحمد بن جعفر بن حمدان الطرسوسي، أبو الحسن

مجهول . [الحديث : 23/72]

(93) أحمد بن جعفر بن محمد بن سلم، أبو بكر

ثقة، انظر: التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الاباطيل (103/1)،

ت (13) . [الحديث : 14/76]

(94) أحمد بن جعفر بن محمد بن عبيد الله بن أبي داود بن المنادي

ثقة أمين (تاريخ بغداد : 69/4 ت 1690) . [مسائل محمد بن عثمان، ص : 15]

(95) أحمد بن جميل المروزي البغدادي، أبو يوسف

ثقة صدوق عند الجمهور . [الحديث : 26/108]

(96) أحمد بن الحارث البصري

ضعيف . [مشكاة المصابيح : 592/1]

(97) أحمد بن الحسن بن صالح

لا يعرف . [الحديث : 48/68]

(98) أحمد بن الحسن بن عثمان القاضي

ضعيف . [الحديث : 48/60]

(99) أحمد بن الحسن بن محمد الشاهي، أبو نصر

لم أجد من وثقه، لا الخطيب ولا غيره . [أنوار الصحيفة، ص : 251]



(100) أحمد بن الحسين بن علي بن إبراهيم، أبو زرعة الرازي الصغير

قال الخطيب: وكان حافظًا متقنًا ثقة (تاريخ بغداد: 109/1، ت 1767) وقال الذهبي: الإمام الحافظ الرجال الصدوق . . . وكان واسع الرحلة، جيد المعرفة. (سير أعلام النبلاء: 46/17). [الحديث: 77/94، 78]

(101) أحمد بن الحسين، أبو طاهر

لم أعرفه. [مشكاة المصابيح: 535/2]

(102) أحمد بن حفص السعدي

ضعيف، (أنظر: الكامل: 202/1، 203- ولسان الميزان: 162/1، 163).

[الحديث: 32/16]

(103) أحمد بن خالد بن عبد الملك بن سرح

ليس بشيء. (لسان الميزان: 165/1). [مشكاة المصابيح: 27/3]

(104) أحمد بن الخليل بن حرب، أبو عبد الله النوفلي القومسي

ضعيف أنظر: لسان الميزان (167/1). [الحديث: 5/4]

(105) أحمد بن داود، ابن أخت عبد الرزاق

كذاب مشهور. [الحديث: 41/38]

(106) أحمد بن زكير الحضرمي

لا يعرف. [الحديث: 37/38]

(107) أحمد بن سعد بن الحكم، المعروف بابن أبي مريم

صدوق، أنظر: تقريب التهذيب (35). [الحديث: 15/73]

(108) أحمد بن سعيد بن صخر الدارمي، أبو جعفر

ثقة بالاتفاق. [الحديث: 34/10]

(109) أحمد بن سعيد الأسفنجاني، أبو نصر

لم أجد من وثقه . [الحديث : 10/21]

(110) أحمد بن سفيان، أبو سفيان النسائي

صدوق مصنف . [الحديث : 6/60]

(111) أحمد بن سليمان بن عبد الملك، أبو الحسين الرهاوي

ثقة حافظ . [الحديث : 34/16]

(112) أحمد بن سنان الواسطي رحمه الله

ثقة إمام . [الحديث : 7/76]

(113) أحمد بن سهل بن أيوب الأهوازي

مجهول الحال ، لم يوثقه غير الضياء المقدسي . [الحديث : 26/77]

(114) أحمد بن شعيب بن علي، أبو عبد الرحمن النسائي

الإمام أحمد بن شعيب، ثقة حافظ مشهور، صاحب السنن،

توفي 303هـ رحمه الله . [الفتح المبين، ص : 13]

(115) أحمد بن صالح المصري، أبو جعفر، المعروف بابن الطبري

ثقة إمام . [الحديث : 43/49]

(116) أحمد بن عامر (والد عبد الله)

كذاب . (أنظر الفتاوى الحديثية للسخاوي، الضعيفة للالباني 453/3، ح

: 1290) . [الحديث : 33/109]

(117) أحمد بن العباس البغوي (عن عمر بن شبة وعنه الدارقطني)

ثقة . [الحديث : 20/15]

(118) أحمد بن عبد الجبار بن محمد العطاردي الكوفي

صدوق حسن الحديث وثقه الجمهور، توفي سنة 272هـ. وهو



برئ من التدليس ، قلت: ولي رسالة صغيرة (6 صفحات) في توثيق أحمد بن عبد الجبار العطاردي (طبعت باللغة الأردنية في مقالاتي ج 4 ص 392-397) وأثبت فيها بأن الجمهور وثقة .

تنبيه: جرح ابن عقدة الرافضي السارق ومجاهيل أهل العراق فيه مردود . [الفتح المبين ، ص : 86]

(119) أحمد بن عبد الرحمن بن الجارود الرقي

كذاب ، قال الخطيب: فإنه كذاب . (تاريخ بغداد ج 2 ، ص 247 ت 716) وانظر لسان الميزان (ج 1 ، ص 213) . [الحديث : 12/73]

(120) أحمد بن عبد الرحمن بن وهب، أبو عبيد الله

حسن الحديث . [الحديث : 19/73]

(121) أحمد بن عبد الرحيم بن الحسين، أبو زرعة العراقي

الحافظ الإمام الفقيه الأصولي المفسن . . . توفي 826هـ . (طبقات الحافظ : 1182) . [الفتح المبين ، ص : 14]

(122) أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق ابونعيم الأصبهاني

* الإمام الحافظ الثقة العلامة ، شيخ الإسلام صاحب الحلية . (حلية الأولياء ودلائل النبوة وغيرهما) ولد 336هـ ومات 430هـ (النبلاء : 453/17-464 ت 305 ملخصاً) وتكلم فيه بكلام مردود .

[تحفة الأقوياء ، ص : 9]

* ثقة صدوق وقال الحافظ الذهبي رحمه الله: أحد الأعلام ، صدوق ، تكلم فيه بلا حجة (ميزان الاعتدال : 111/1) وذكر كلاماً ، لم أذكره هاهنا ، وأثنى الخطيب البغدادي وغيره على أبي نعيم الأصبهاني رحمه الله ، توفي سنة 430هـ . [الفتح المبين ، ص : 17]

* وقال يحيى بن عبد الوهاب بن مندة: سمعت (؟؟) أن أبا بكر أحمد بن علي بن ثابت (الخطيب البغدادي) كان يقول: كان أبو نعيم يخلط المسموع له بالمجاز ولا يوضح أحدهما من الآخر (المنتظم لابن الجوزي: 100/8 والنسخة الجديدة: 268/15) وهذا السند ضعيف لأن ابن مندة لم يخبر من حدثه بهذا القول وكذلك رواية عبد الوهاب الأنماطي لا تدل على تدليس أبي نعيم رحمه الله فهو بريء من التدليس، والحمد لله. [أيضاً]

(123) أحمد بن عبد الله بن داود المروزي، أبو حامد التاجر

مجهول الحال . [الحديث: 27/102]

(124) أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي الكوفي، أبو الحسن

ثقة بالاجماع: لم يثبت بأنه متساهل . [الحديث: 37/78- 39 ملخصاً]

(125) أحمد بن عبد الله بن محمد الرقي

لم أجد من وثقه . [الحديث: 96/94]

(126) أحمد بن عبد الله بن يونس بن عبد الله بن قيس الكوفي

ثقة، روى له البخاري ومسلم والأربعة، ووثقه أبو حاتم والنسائي وابن سعد وغيرهم، توفي سنة 227هـ.

[مسائل محمد بن عثمان، ص: 76]

(127) أحمد بن عبدان بن محمد بن الفرج، أبو بكر

أحمد بن عبدان الحافظ ثقة، ترجمته في السير (489/16)

وتذكرة الحفاظ . [مسائل محمد بن عثمان، ص: 14]



محمد ارشد کمال

صدقہ فطر اور اس کے مسائل

صدقہ فطر کو: زکاۃ فطر، زکاۃ صوم، زکاۃ رمضان، صدقہ رمضان اور صدقہ صوم بھی کہا جاتا ہے ہمارے ہاں لوگ اسے ”فطرانہ“ بولتے ہیں۔ صدقہ فطر سے مراد وہ صدقہ ہے جو ماہ رمضان کے اختتام پر روزوں کے مکمل ہونے کی خوشی اور ان میں ہو جانے والی کمی کوتاہیوں کے پیش نظر دیا جاتا ہے تاکہ یہ گناہوں کا کفارہ بن جائے اور محتاجوں کے لیے عید کی خوشیوں میں شمولیت کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض قرار دیا تاکہ روزے کے لیے لغو اور بے ہودہ اقوال و افعال سے پاکیزگی ہو جائے اور مسکینوں کو کھانا مل جائے۔ لہذا جس نے اسے نماز عید سے پہلے پہلے ادا کر دیا تو یہ ایسی زکوٰۃ ہے جو قبول کر لی گئی اور جس نے اسے نماز عید کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔“ (سنن ابی داؤد: 1609، وسندہ حسن)

صدقہ فطر کے مسائل:

- 1: بیشتر احادیث میں صدقہ فطر کے لیے ”فَرَضَ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہ فرض ہے۔ امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی فرضیت پر اجماع ہے۔ (کتاب الاجماع: 35)
- 2: صدقہ فطر ہر مسلمان امیر غریب، مرد عورت، چھوٹے بڑے، ہر ایک پر فرض ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، آزاد اور غلام پر زکاۃ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو سے فرض کیا ہے اور نماز عید کے لیے جانے سے پہلے اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری: 1503)



3: صدقہ فطر جنس خوراک میں سے ایک صاع ادا کیا جائے گا۔ یعنی جو چیز سال کے بیشتر حصے میں بطور خوراک استعمال ہوتی ہو اس سے صدقہ فطر ادا کیا جائے اور اس کی مقدار ایک صاع ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اناج یا کھجور یا جو یا منقہ کا ایک صاع بطور صدقہ فطر دیا کرتے تھے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور (ملک شام سے) گندم آئی تو انھوں نے کہا: میرے خیال کے مطابق (شام سے آنے والی) گندم کا ایک مد دیگر اجناس کے دو مد کے برابر ہے۔ (ایضاً: 1908) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تو جب تک زندہ ہوں ہمیشہ اسی طرح (پورا صاع) ادا کرتا رہوں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم: 985۔ سنن ابی داؤد: 1616)

4: صاع ایک پیانہ ہے جیسے ہمارے ہاں ٹوپہ ہوتا ہے۔ اس (صاع حجازی) کے وزن کے متعلق کچھ اختلاف ہے۔ عام طور پر ہمارے سامنے دو موقف ہیں:

☆ 2 سیر 10 چھٹانک 3 تولہ اور 4 ماشہ یعنی پونے تین سیر، رائج الوقت تقریباً اڑھائی کلو۔

☆ 2 سیر 4 چھٹانک رائج الوقت تقریباً 2 کلو اور 100 گرام۔ راقم کے نزدیک پہلا موقف احوط ہے اور دوسرا جواز کا ہے۔ یعنی 2 کلو اور 100 گرام جائز ہے لیکن زیادہ مناسب اڑھائی کلو ہے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ معتدل ہاتھوں والا آدمی دونوں ہاتھوں کی لپیں (بک) چار مرتبہ بھر کر دے تو یہ اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

5: افضل یہی ہے کہ صدقہ فطر جنس خوراک ہی سے ادا کیا جائے کیونکہ احادیث میں مختلف اجناس ہی کی تعیین فرمائی گئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر تھا، کہیں بھی قیمت اور کرنے کا ذکر نہیں، لہذا جنس خوراک کی ادائیگی ہی زیادہ بہتر اور افضل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر روزمرہ کی خوراک سے ادا کیا

جائے۔ (مجموع الفتاویٰ: 35/25، 36)

تاہم اگر کوئی خوراک کے بدلے میں قیمت ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صدقہ فطر کا جو مقصد بیان ہوا ہے وہ مساکین کو کھلانا ہے اور یہ چیز قیمت سے بھی ممکن ہے اور پھر یہ کہ کسی حدیث سے اس کی ممانعت بھی ثابت نہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے بصرہ میں عدی کی طرف لکھ کر بھیجا کہ ہر انسان سے آدھا درہم وصول کیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: 74/3، 10358 و سندہ صحیح)

قرہ بن خالد کہتے ہیں: ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیز کا نوشتہ (حکم) پہنچا کہ صدقہ فطر میں ہر انسان کی طرف سے آدھا صاع یا اس کی قیمت آدھا درہم وصول کرو۔

(ایضاً: 10369، و سندہ صحیح)

ابو اسحاق السبعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو رمضان میں صدقہ فطر میں کھانے کی قیمت درہم دیتے ہوئے پایا۔ (ایضاً: 10371، و سندہ حسن)

6: صدقہ فطر نماز عید کی ادائیگی کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر نماز (عید) کے لیے جانے سے پہلے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: 1509)

معلوم ہوا کہ صدقہ فطر نماز عید کے لیے روانگی سے پہلے پہلے ادا کرنا ضروری ہے۔ امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یوم فطر سے دو تین دن پہلے زکاۃ فطر اس کے پاس بھیج دیتے تھے جس کے پاس وہ جمع کی جارہی ہوتی تھی۔

(الموطا للإمام مالک: 631، و سندہ صحیح)

